ش زرانی

مقدمہ ادبیاتِ اُصولِ تحقیق

اُردواور پاکستانی زبانوں میں تحقیقی روایت مستشرقین (Orientalists) کی پیدا
ہے۔ ان کی پیروی میں ہمارے محققین کے ہاں عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سندھی
میں تحقیقی کاموں کے ایک مخصوص انداز نے جنم لیا جسے ہم قدیم تحقیقی روش کا نام
سکتے ہیں۔ جان گلکرائسٹ، سی آر ٹیمپل، گریرسن، ڈاکٹر لائٹنر وغیرہ سے شبلی نعمانی،
السلام ندوی، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، مولانا عبدالحی، مولانا
الستار صدیقی، مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، پروفیسر محمد اقبال اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع
ے ذریعے یہی روش ہماری جامعات کے اندر اور باہر پختہ ہونے لگی۔

اس تحقیقی روش کے بڑے بڑے پڑاؤ کلکتہ، حیدرآباد دکن، اعظم گڑھ، لاہور، پٹنہ، رام
پور، کراچی، حیدرآباد سندھ وغیرہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے
مستشرقین کے کاموں کو روشن کیا۔ دکن میں قلمی نسخوں، مخطوطوں کی بجائے زبان کے
مسائل، لسانیات وغیرہ کی تحقیق پر زور دیا گیا۔ یہ کام مولوی عبدالحق اور وحید الدین سلیم
(''وضع اصطلاحات'' والے) سے ڈاکٹر محی الدین قادری زور تک چلا آیا۔ اعظم گڑھ میں
مولانا شبلی، سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی وغیرہ نے زبان و ادب کو تاریخی نقطۂ نظر سے
دیکھا اور تاریخ نگاری کا اسلوب وضع کیا۔

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں معاشرتی، سیاسی اور سماجی پس منظر کو
مخطوطہ شناسی میں شامل کیا گیا۔ واقعات اور سنین پر توجہ دی گئی۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا
اتباع ہوا۔ بنیادی اور ثانوی ماخذوں کی صحت و تنقید پر زور دیا گیا۔ حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر
سید عبداللہ، پروفیسر محمد اقبال اور ڈاکٹر وحید قریشی جیسے نام یہیں سے برآمد ہوئے۔ پٹنہ میں

Scanned by CamScanner

قاضی عبدالودود، ڈاکٹر اختر اورینوی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو جیسے نامور لوگ وابستہ تھے
حوالے میں احتیاط کا عنصر یہاں سامنے آیا۔ ترتیب و تدوینِ متن میں خاصا کام ہوا۔ رام
پور میں مولانا امتیاز علی عرشی نے تصحیح متن کو بنیاد بنایا۔ جعل سازی، بے احتیاطی، اغلا
استفادہ، کتابیات وغیرہ کی تصحیح انھی کا حصہ تھی۔

اسی روش کی وسعت سے کراچی میں ڈاکٹر جمیل جالبی، جناب مشفق خواجہ، ڈاکٹر
فرمان فتحپوری، ڈاکٹر اسلم فرخی اور ڈاکٹر معین الدین عقیل، حیدرآباد سندھ میں ڈاکٹر غلام
مصطفےٰ خاں اور ڈاکٹر نجم الاسلام، لاہور میں خلیل الرحمان داؤدی، ڈاکٹر وحید قریشی، شیخ محمد
اسماعیل پانی پتی، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی، ڈاکٹر معین الرحمان، ڈاکٹر
گوہر نوشاہی، ڈاکٹر سلیم اختر جیسے کئی نام سامنے آئے۔ یہی روش آگے بڑھ کر مختلف
جامعات پر اثر انداز ہوئی۔ پھر ان میں غور و فکر شروع ہوا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،
پشاور یونیورسٹی اور مقتدرہ قومی زبان اسی تفکر کی ایک تثلیث کے طور پر ابھرے۔

اگر اردو کے اس تحقیقی سرمایے کا جائزہ لیا جائے تو زیادہ تر مندرجہ ذیل پہلو
سامنے آتے ہیں:

(الف) قدیم متون اور ادبی سرمایے کی بازیافت۔

(ب) ادیبوں اور شاعروں کے احوال و آثار۔

(ج) سیاسی و سماجی پس منظر میں ادبی موضوعات کا جائزہ۔

(د) اردو اور پاکستانی زبانوں کے لسانی رشتوں کا تعین۔

(ر) تدوین لغت، اصطلاحات سازی یا اشتراکِ لغات۔

(س) غالبیات، اقبالیات جیسے مستقل موضوعات۔

محولہ تثلیثی غور و فکر کے نتیجے میں اب یہ روش ایک ایسے مقام پر آ کر پھوٹک ہو
رہی ہے جہاں جدید تحقیقی ڈسپلن میں اپنا مقام بنانے کے لیے اصولِ تحقیق کی نئی کوششیں
رخنہ انداز ہیں۔

Scanned by CamScanner

اس سابقہ تحقیقی سرمایے میں اُردو کے بڑے محققین کی درجہ بندی کرنے پر بھی اہلِ علم کی توجہ مبذول ہوئی ہے۔ رسالہ ''آج کل'' دہلی کے شمارہ اگست 1967ء میں ''اردو تحقیق کے چار عناصر'' قاضی عبدالودود، امتیاز علی عرشی، مسعود حسین رضوی اور مالک رام کو قرار دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب ''**تحقیق کا فن**'' میں حافظ محمود شیرانی کو ان میں شامل کر کے انھیں ''اُردو تحقیق کے عناصرِ خمسہ'' کہا ہے۔ اگر اُردو کی تحقیقی روش اور تتبع کا اصولوں کے حوالے سے جائزہ لیں تو ان میں پہلے درجے پر حافظ محمود شیرانی ہی فائز نظر آتے ہیں اور دوسرا مقام قاضی عبدالودود اور مولوی محمد شفیع کا ہے۔ تیسرے مقام پر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر گیان چند کے نام آتے ہیں۔ باقی محققین نے اپنے طور پر بڑے کارنامے انجام تو دیے ہیں، اصولی مباحث بھی تحریر کیے ہیں، تاہم تحقیقی اصول وضع کرنے کے حوالے سے ان کا نام انھی چھ افراد کے بعد ہے۔

جہاں تک اُصولِ تحقیق پر مواد یا ادبیاتِ تحقیق کی وسعت کا تعلق ہے، ایک اصولی بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ابھی تک اس موضوع پر کوئی بھی جامع مواد ہمارے سامنے نہیں آیا۔ اگر ہم قدیم تحقیقی روش کو دو پہلوؤں ''مخطوطہ شناسی'' یا ''تدوینِ متن'' اور ''تاریخ نگاری'' یا ''دستاویزی تحقیق'' میں تقسیم کریں اور دونوں کے لیے صرف ایک ایک نام لینا چاہیں تو ڈاکٹر خلیق انجم کی کتاب ''**متنی تنقید**'' (1967ء) اور ڈاکٹر گیان چند کی کتاب ''**تحقیق کا فن**'' (1990ء) اور بس۔ باقی سب انھی کی توضیحات، تشریحات، ماخذ یا تعلیقات ہیں۔

اب تک سامنے آنے والے اس اصولی مواد کا ہم تین پہلوؤں سے جائزہ لے سکتے ہیں:

1- ترتیب و تدوینِ متن کے حوالے سے۔

2- تاریخی مقالہ نگاری کی رُو سے۔

3- جدید تحقیقی ڈیزائن کے نقطۂ نظر سے۔

Scanned by CamScanner

رفاقت علی شاہد نے اپنی کتاب ''تحقیق شناسی'' میں ایک بھرپور کتاب لکھ ڈالی ہے جو تحقیق کی تعریف، اصول تحقیق، تنقید، طریقے، مسائل، مقالے کی تیاری، جائزے، کتابیات، لسانی امور اور لغتیات اور دیگر زبانوں پر علوم کی تحقیق کے علاوہ تدوین متن، مخطوطات شناسی وغیرہ پر مقالات اور کتب کی مفصل معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ اردو تحقیق کا آغاز سرسید سے ہوتا ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ قدیم روش تحقیق کے اصولی مباحث کا آغاز مولانا شبلی سے ہوتا ہے جو روایت و درایت نیز جرح و تعدیل کے قدیم طریق تحقیق کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ ان پر تنقید عبدالمالک دانا پوری نے کی اور رائے، عقل اور درایت میں امتیاز پیدا کیا۔

صرف اردو زبان کے حوالے سے حقیقت یہ ہے کہ اردو میں تحقیقی اصول پہلی بار حافظ محمود شیرانی (اپریل 1922ء میں) ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ وہ داخلی شہادت (شہادت کلام) کو بھی واقعاتی شہادت میں شامل کرتے ہیں۔ ادیب کی انفرادیت پر توجہ دیتے ہیں۔ شہادت کلام کو وہ اسالیب مقامی قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جدید اصول تحقیق پر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اولیت رکھتے ہیں کہ انھوں نے 1958ء میں ''جامع اصول تحقیق کے بارے میں'' مسائل پر گفتگو کی۔ وہ جدید اصولوں کے مطابق تحقیق کی حدود کا تعین (تحدید) کرنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ کتابیات کی ترتیب، مقالے کا اختصار وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس بات کی توسیع ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے 1962ء میں کی۔ انھوں نے دراصل سابقہ اصولوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور انھیں کارٹر وی گڈ کی ''تکنیک تحقیق'' (علم التعلیم) کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ یوں ہمارے نزدیک گویا جدید تحقیقی اصولوں کی طرف پہلا قدم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اٹھایا تھا مگر وہ بھی محض تدوین مخطوطات اور داخلی و خارجی شہادتوں ہی میں اٹک کر رہ گئے۔

اردو میں پہلی بار ''مخطوطہ شناسی'' کا کورس جامعہ دہلی میں شروع ہوا تو خواجہ احمد فاروقی نے اس مسئلے پر مضامین لکھنا شروع کیے۔ مگر پہلی مبسوط کتاب لکھنے

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر غلیق انجم کے حصے میں آیا۔ ''متنی تنقید'' میں انھوں نے متن کو اُصولوں کی روشنی میں ترتیب متن'' سامنے آئی اور یوں اس موضوع کی ''تکمیل'' ہوئی۔ مالک رام اور ڈاکٹر نذیر قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی بنیاد پر ڈاکٹر تنویر احمد علوی کی کتاب ''**اُصولِ تحقیق و** احمد نے چند توسیعی مقالات لکھے۔ قاضی عبدالودود نے ''صحتِ متن'' پر قلم اٹھایا۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے قدیم دواوین کی تدوین پر نگارشات پیش کیں۔ اس موضوع پر مزید کام خلیل الرحمان داؤدی نے آگے بڑھایا لیکن ابھی ان کے نکات شائع نہیں ہوئے۔ ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب میں اس موضوع کو زیادہ جامع کر دیا ہے۔

تاریخ نگاری کی روایت جو شبلی نعمانی، مولوی محمد شفیع، حافظ محمود شیرانی وغیرہ کے ذریعے ہمارے سامنے آتی ہے، اسے اصولی طور پر پیش آنے کے لیے بعض ڈاکٹر سید محمد عقیل کے مقالے ''تحقیقی مواد کی فراہمی'' (''نقوش''، لاہور مئی 1967ء) کو اولیت دیتے ہیں۔ انھوں نے تحقیق کار کے مزاج، مواد کی فراہمی کے ذرائع، راویوں کے غلط بیانات کے جائزے وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے۔ ایسا ہی ایک مقالہ ڈاکٹر انصار اللہ نظر کا ''تدوین کے اصول و مدارج'' (سہ ماہی ''اُردو'' کراچی 3، 4، 1970ء) ہے۔ بو دراصل متنی تنقید ہی کی توسیع ہے۔ وہ بہترین ''مخطوطے'' پر توجہ دینے کے قائل ہیں اور توضیح متن کو آخری کڑی قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے کا ایک نام رشید حسن خاں کا ہے اور ایک نام آغا افتخار حسین کا ہے۔ یہ دونوں سائنسی تحقیق کے اصولوں کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں نے بھی اپنے مقالے میں کچھ ایسے ہی امور کی نشاندہی کی تھی۔

ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب ''**تحقیق کا فن**'' پہلی مبسوط کتاب ہے جو ادبی تحقیق کے اصول اور تکنیک شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ اس سے پہلے اُردو میں ایسی دقت نظری کے ساتھ لکھی گئی کوئی کتاب اُصولِ تحقیق کی جامع نہیں ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب سندی تحقیق کی مقالہ نگاری کے لیے لکھی گئی ہے۔ تاہم اس میں اُردو کی عمومی تحقیق کاری کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور جابجا اُردو کے تحقیقی کاموں سے مثالیں دی گئی

Scanned by CamScanner

ہیں۔ موضوع، خاکہ، مواد، مطالعہ، جائزہ، تسوید، زبان و بیان اور ہیئت اس کے
ابواب ہیں۔ تدوینِ متن ایک الگ موضوع کے طور پر زیر بحث لائی گئی ہے۔ بعض
اصطلاحات بھی وضع کی گئی ہیں جن میں تحقیقی تصورات بیان ہوئے ہیں۔ اصولی طور
کتاب روایتی تحقیق کی روش ہی کو پروان چڑھاتی ہے۔ تکنیک، مسئلہ، فرضیہ، تحدید،
اور نتائج و سفارشات پر کوئی باب شامل نہیں اور نہ ہی انھیں کوئی اہمیت دی گئی ہے۔
تحقیق کے تجربات کو پیش کرتے ہوئے بھی وہ زیادہ تر اپنی ہی واردات
(Experience) پر انحصار کرتے رہے ہیں، چنانچہ روایتی دبستانوں کی روش اس میں
جھلکتی ہے۔ انھوں نے خاص طور پر جو تین سفارشات کی ہیں، یعنی:

1- تحقیق کی زبان سلیس و شگفتہ ہو۔
2- اسلوب تحریر شخصی ہو۔
3- حوالے کم سے کم ہوں بلکہ متن کے اندر ہی دے دیے جائیں۔

ان پر بھی بحث ہو سکتی ہے۔ تحقیق کا اپنا انداز بیان یا کینڈا (genre) ہوتا ہے۔
یہ ہمیشہ غیر شخصی بلکہ اجتماعی انداز لیے ہوتی ہے اور حوالوں میں صرف یکسانیت ہی بنیادی
امر قرار پاتی ہے۔

تحقیق کو ڈاکٹر گیان چند بھی محض ''تلاش'' ہی قرار دیتے رہے ہیں اور شرط
صرف ''سکالر شپ'' (اعلیٰ تنقیدی بصیرت) کی عائد کرتے ہیں۔ وہ تحقیق کو سائنس یا
سائنٹیفک نہیں سمجھتے۔ بیانیہ اور دیگر اقسام کی تحقیق کو وہ محض ''حقائق اندوزی'' قرار دیتے
ہیں۔ محقق اور نگران کے اوصاف کے بارے میں انھوں نے خوب کھل کر لکھا ہے اور ادبی
تحقیقی مقالوں میں موجود عیوب اور نقائص پر بے لاگ تبصرے کیے ہیں۔ ان کا یہ کھلا اندازِ
تحریر اس کتاب کو تکنیکی دستورالعمل بنانے سے زیادہ انتقادی تبصرے کی حیثیت اختیار کر
جاتا ہے۔ تدوین متن پر تمام متداول ماخذوں سے انھوں نے خاطر خواہ مواد پیش کیا ہے،
مگر اسے تحقیقی منصوبہ ثابت کرنے کے لیے وہ تکنیکی اصول واضح نہیں کر سکے۔ شاید ایسا ہو

Scanned by CamScanner

بھی نہیں سکتا کیونکہ تدوین متن بہرحال کلی طور پر تحقیق سمجھی نہیں جاتی۔ بایں ہمہ گیان چند کی یہ کتاب روایتی تحقیقی کام کرنے والے مبتدیوں کے لیے بہتر اور متداول قرار پاتی ہے۔

جدید سائنسی اصولوں پر یوں تو کئی مصنفوں نے کام کیا، لیکن زیادہ تر تراجم اور اخذ و استفادے کی صورت ہی سامنے آتی ہے جیسے عبدالرزاق قریشی کی کتاب ''**مبادیاتِ تحقیق**'' جو عربی سے ترجمہ ہے اور اس کی مثالیں بھی زیادہ تر عربی سے ہیں یا ڈاکٹر ش اختر کی ''**تحقیق کے طریق کار**'' جس میں مشاہدے پر کھلا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی اور ڈاکٹر عبدالستار دلوی کی کتابیں بھی اخذ و استفادے کی مثالیں ہیں۔ ایسی کتابوں میں اولیت ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ''**ادبی تحقیق کے اصول**'' کو حاصل ہے۔ یہ ابھی تک اُردو میں پہلی اور واحد کتاب ہے جو ''فرضیے'' (Hypothesis) پر بحث کرتی ہے اور مطالعۂ احوال اور سروے کو اردو کے حوالے سے تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ انھوں نے بنیادی طور پر وان ڈیلین کی کتاب سے اخذ و استفادہ کیا ہے اور گڈ اور سکیٹس سے اضافے کیے ہیں۔ ان کی اہم بات ''تحقیقی بصیرت'' (Vision) ہے جسے ڈاکٹر گیان چند ''سکالرشپ'' کا نام دیتے ہیں لیکن وہ ڈاکٹر گیان چند سے بہتر تکنیکی انداز سے اس کی وضاحت کر سکے ہیں۔

بعض مصنفین نے جدید رو میں بہ کر کتابیں تصنیف کرنے کی کوششیں ضرور کی ہیں اور سماجی تحقیق یا دستاویزی تحقیق کے انگریزی ماخذوں کے ترجمے یا اخذ و استفادے کے بعد ان میں ''اُردو'' کے ٹکڑے چسپاں کیے ہیں مگر یہ پیوند کاری اُردو یا پاکستانی تحقیق کاروں کو اور زیادہ الجھنوں کا شکار تو بنا سکتی ہے، انھیں کوئی مدد فراہم نہیں کرتی۔

بعض مرتبین اور مؤلفین نے ضرورتاً ایک آسان طریقہ اپنایا اور اہلِ علم کے مقالوں، اصولیین کے تجربوں اور مضمونوں کو یک جا کر کے ''مصنفین'' کی صف میں شامل ہونے کی کوشش ہے۔ تاہم ان میں سے بعض مجموعے کار آمد بھی ثابت ہوئے ہیں جیسے ڈاکٹر سلطانہ بخش کی دو جلدوں میں ''**اُردو میں اصول تحقیق**'' اور رفاقت علی شاہد کی

Scanned by CamScanner

"تحقیق شناسی" لیکن یہ مجموعے بھی ہمیں قدیم روش ہی سے آشنا کرتے ہیں۔ کچھ
شامل افادہ و استفادہ کے حامل مضامین مسئلے، فرضیے، ڈیزائن، نتائج، سفارشات،
طریق تحقیق، تجربے اور مشاہدے وغیرہ کو بھی واضح طور پر پیش نہیں کر سکے۔

جدید تحقیقی اصولوں کا ایک بڑا ذریعہ "علم التعلیم" کی بنیادی کتابیں ہیں جن
اردو میں ڈاکٹر احسان اللہ خان کی کتاب **"تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی"**
اولیت حاصل ہے۔ لائبریری سائنس، سماجی علوم، صحافت، ابلاغیات اور دوسرے میدانوں
کی کتابیں اس کے بعد وجود میں آئیں۔ اس لیے اُردو اور پاکستانی زبانوں میں جدید
سائنسی اصولوں کو متعارف کرانے کا سلسلہ اس کتاب سے شروع ہوتا ہے۔ ایس ایم شاہد،
ڈاکٹر عبدالرشید آزاد، ڈاکٹر اسلم ادیب یا دوسرے تعلیمی مصنفین نے اسی موضوع کی توسیع و
تشریح میں کارانداری کی ہے۔

اُردو میں اصول تحقیق کی قدیم روش کم از کم تین دبستانوں پر منقسم ہے۔ پہلا
دبستان سرسید سے شروع ہوتا ہے جسے ہم "تالیفی دبستان" کہہ سکتے ہیں۔ آزاد، حالی، شبلی،
مولوی عبدالحق، ڈاکٹر وحید قریشی، مسعود حسن خان سے ڈاکٹر گیان چند تک اسی کی پیروی کی
جاتی رہی ہے۔ یہ تالیفی دبستان روایات کو جوں کا توں قبول کرتا اور حقائق کی محض
بازیافت کرنے کے لیے تلاش اور تبصرے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس میں بہرکیف و
بہرحال اپنے نقطہ نظر کی تاکید میں کوائف جمع کرنے کا عمل انجام دیا جاتا ہے۔ تحقیقی
بصیرت اور درک اس کا لازمہ ہے۔ دوسرا دبستان تشریح و توضیح کرتا ہے اور اصولِ تنقید کو
استعمال کرتا ہے۔ کوئی ادبی/تنقیدی نظریہ قائم کرتا ہے۔ ڈاکٹر لائٹنر نے اس کی ابتدا ہوتی
ہے اور حافظ محمود شیرانی اس کے معلم اول ہیں۔ یہ "انتقادی دبستان" کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر سید
عبداللہ، قاضی عبدالودود، خلیل الرحمان داؤدی، مشفق خواجہ، رشید حسن خان اسی مکتبِ فکر
کے پیرو ہیں۔ تیسرا مکتبِ فکر فرضیوں کی جانچ پرکھ کو تجزیوں اور معیاری و مقداری تحقیق کے
لیے تکنیک کو بنیاد بناتا ہے اور تحقیقی بصیرت کا اظہار کرتا اور تحقیق کو کلی رسمیات قرار

Scanned by CamScanner

بتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اس کا سرسری سا ذکر کیا ہے۔ اس میں مولانا حالی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر محمد صادق، پروفیسر محمد عثمان، ڈاکٹر سلیم اختر، مولانا صلاح الدین احمد جیسے تحقیقی کام کرنے والوں کی مثالیں دی جا سکتی ہے لیکن کلی طور پر مطالعہ، احوال، نفسی تجزیے اور عادات مطالعہ فرضیوں کی روشنی میں شاید ابھی سامنے نہیں آئے۔

ادبی ولسانی اصولِ تحقیق کا ایک بڑا مسئلہ ''تدوین متن'' کے اصولوں سے پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسے ''تحقیق'' مانا بھی جائے یا نہیں۔ جبکہ اس میں بھی ''تلاش و تفتیش'' کے کئی لمحات صرف ہوتے ہیں۔ جدید تکنیک کے حوالے سے اس ضمن میں ایک بنیادی بات یہ سامنے آتی ہے کہ اگر تدوینِ متن میں بھی ''فرضیہ'' قائم ہو سکے اور ''متغیرات'' اور ''تحدید'' کا تعین ہو جائے تو ''تدوین متن'' کا شمار بھی ''اشاعتی کام'' سے بڑھ کر ''طریقِ تحقیق'' میں ہو سکتا ہے۔

''اُصولِ تحقیق''میں ایک اور بڑا مسئلہ اُردو میں ان اصطلاحات کے ترجموں کے انتشار کا ہے جن میں یہ اصول بیان ہوتے ہیں جیسے:

[Problem, Difficulty, Issue, Topic, Subject]

[Delimitation, Limitation]

[Assumption, Dogma, Thesis, Hypothesis, Disseration]

[Recommondations, Suggestions, Findings, Results]

[Synopsis, Design, Plan, Proposal]

[Data, Statistics, Figures]

[Purpose, Objectives, Aims, Goals]

[Reliability, Credibility]

[Evidences, Sources]

Scanned by CamScanner

[Form, Formality, Objectivity, Justification, Validity]

[Narrative, Description]

یہ الفاظ و اصطلاحات کے ایسے گروہ ہیں کہ ان میں بیان کردہ تصورات کی وضاحت اور تعین کے لیے اردو میں الگ الگ الفاظ و اصطلاحات کا تعین ضروری ہے۔

استادِ محترم ڈاکٹر احسان اللہ خاں نے پہلی بار جب Hypothesis کے لیے ''مفروضہ'' کی اصطلاح کو اس لیے رد کیا کہ پھر Assumption کے لیے کون سا اردو مترادف سامنے لایا جائے اور ایس ایم شاہد نے Purpose, Objectives, Aims, goals کے لیے مدعا، مقاصد، اہداف، مطمحِ نظر یا مقصود کا تعین کرنا چاہا تو ہر بار ایک طویل بحث کے بعد ہر دو کے نقطۂ نظر سے اتفاق ہی لازم ٹھہرا۔

اصولِ تحقیق کی اکثر کتب کے بارے میں خواہ وہ تعلیمی تحقیق سے متعلق ہوں یا سماجی تحقیق سے یا ادبی تحقیق کے موضوع پر ہوں، مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جامعات میں انجام دی جانے والی تدریسیاتی تحقیق کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ گیان چند نے بھی یہی کیا ہے۔ ان کتب میں ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ان میں تکنیکی امور مختلف علیحدہ علیحدہ ابواب میں نکات وار بیان کر دیے جاتے ہیں اور انھیں باہم مربوط کرنے کا کام قاری/طالب علم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یوں اس احساس کو تقویت ملتی ہے کہ تحقیق کے مختلف مرحلے اور اقسام الگ الگ ہوتی ہیں اور یوں اصولِ تحقیق یا تحقیقی تکنیک پر کلی گرفت مشکل ہو جاتی ہے۔ ان کتابوں میں طلبہ کے لیے لچکدار رویہ پیش کیا جاتا ہے اور پختہ کار محققین کی مدد کے لیے دیگر تکنیکوں پر الگ الگ دقت نظری کے ساتھ مزید توسیعی تصانیف سامنے نہیں آتیں جیسا کہ ''تدوین متن'' کے حوالے سے اُردو میں کتب شائع ہو چکی ہیں مگر داخلی اور خارجی شواہد پر مفصل کتب موجود نہیں۔ بیانیہ/سروے تحقیق پر اردو میں اس کے مختلف پہلوؤں پر الگ الگ تصانیف درکار ہیں جو عنقا ہیں۔ تجرباتی تحقیق تو بہت دور کی بات ہے، فرضیات کی تشکیل بھی الگ کتاب کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کے بعد کہیں تحقیقی ڈیزائن کا موضوع آتا ہے۔

Scanned by CamScanner

پختہ کار محققین کو فرصت نہیں کہ اپنے تجربات کو مفصل طور پر تحریر کر سکیں۔ نتیجہ
ارجمان داؤدی نے ہماری تحریک پر کچھ لکھا مگر ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ مشفق
خواجہ (مرحوم) خاموش رہے۔ رشید حسن خان کسی حد تک ایک آدھ کتاب ادبی تحقیق کے
ہم سے دے چکے ہیں۔ جامعات کے اکثر اساتذہ خود پختہ کار محقق نہیں۔ یہ صفر کی
جامعات میں اردو میں جدید تحقیق کا تصور نہ تو موجود ہے اور نہ اساتذہ اس طرف توجہ
دیتے ہیں۔ لہٰذا طلبہ صرف ایک دفعہ تحقیق کا کام کرتے ہیں اور اس طالب علمانہ تحقیق ہی
کو اپنا کل علمی اثاثہ سمجھ لیتے ہیں۔ بعض پھر زندگی بھر اسی موضوع کو دہراتے رہتے ہیں۔
پاکستانی تحقیق کار صرف ایک ہی دفعہ شاید صرف دور طالب علمی میں تحقیق انجام
دیتے ہیں جو تحقیق کے معیار پر بھی مشکل سے پوری اترتی ہے۔ پھر زندگی بھر وہ کم از کم
اس "کام" سے دور رہتا ہے۔ اس کا ذمہ دار شاید سب سے زیادہ ان تحقیقات کا نگران
استاد ہے۔ تحقیقی نگران عموماً یونیورسٹی کے اساتذہ ہوتے ہیں جو خود بھی بہت حد تک جدید
اصول تحقیق سے بے بہرہ اور عملی تحقیق سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ کیا یونیورسٹی میں اردو یا
پاکستانی زبانوں کا موجودہ استاد تحقیق کے قرینے، سلیقے، مقدار اور معیار سے واقفیت رکھتا
ہے؟ ہمارا جواب یقیناً نفی میں ہے۔

اصول تحقیق وضع کرنا پختہ کار اصولیین کا کام ہے۔ جو اپنے تحقیقی کاموں ہی
میں نہ صرف مستند شہرت رکھتے ہوں بلکہ اصول تحقیق کو بھی بار بار آزما چکے ہوں۔ ادھر
صورت یہ ہے کہ نئے تحقیق کار جب عملی میدان میں آتے ہیں تو "اصول تحقیق" پر اپنے
آموختے، نوٹ، مطالعے میں آنے والی کتابوں اور مقالوں کے اقتباسات جمع کر کے جلد
از جلد کسی نہ کسی جریدے یا رسالے میں اصول تحقیق کے موضوع پر ایک "تحقیقی مقالہ"
شائع کرانے کی فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور تحقیقی رعب ڈالنے کے لیے انھی مصادر کی
کتابیات میں بطور ماخذ شامل کر ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دو تین سو ایسے مقالے بار بار
لکھے ہوئے مباحث پر شائع ہونے کے باوصف اردو یا پاکستانی زبانوں میں ابھی تک

Scanned by CamScanner

کے صرف چند بنیادی کام ہوئے ہیں اور یہ میدان دور دور تک خالی نظر آ رہا ہے۔ اردو کے لیے جدید تحقیقی اصولوں کا احساس ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تحریروں کے بعد مقتدرہ قومی زبان کے سیمینار (25 تا 27 مارچ 1986ء) ہی میں پہلی بار سامنے آیا لیکن اس میں اصولی مباحث نہیں ملتے۔ اس سے پہلے خدا بخش لائبریری پٹنہ کے سیمینار (1981ء) میں تو یہ احساس بھی نہیں تھا،، زیادہ تر بحث مخطوطہ شناسی پر رہی۔ دوسرا ایسا سیمینار صرف شعبۂ اُردو پشاور یونیورسٹی (10 تا 12 اگست 2002ء) کا ہے جس میں جدید تحقیقی امور پر بحث کی گئی۔ ان سیمیناروں کی رودادیں اور مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

دہلی یونیورسٹی کے کورس ''مخطوطہ شناسی'' کے بعد ''اُصولِ تحقیق'' پر پہلا کورس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے 1986ء کے بعد سے شروع کیا۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش کے مرتبہ مقالات کے مجموعے اسی کورس کے لیے شائع ہوئے اور ''**مطالعاتی رہنما**'' میں انھوں نے اسی مجموعے کے مقالات پڑھنے کی ترغیب دلائی۔ جدید اُصولوں کے حوالے سے پہلا کورس (2004ء میں) شعبہ پاکستانی زبانیں و ادبیات کے لیے مرتب کرنے پر ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے تحریک دی۔ اس کورس میں بھی مختصراً بیانیہ تحقیق کو شامل کیا گیا مگر تجرباتی تحقیق کو بوجوہ اس کا حصہ نہیں بنایا گیا۔

اُردو میں اصولِ تحقیق پر ادبیات کی مقدار خاطر خواہ نہیں۔ کم از کم اتنی ہی تعداد میں مقالات اور کتب کی اشاعت ابھی ہونا باقی ہے، تب کہیں جا کر اردو اور پاکستانی زبانوں میں تحقیق کا ڈسپلن اپنی بنیادوں پر استوار ہو سکے گا۔

Scanned by CamScanner